نماز ـــ مؤمن کی معراج

ـــــــ حافظ محمد سلیمان ـــــــ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک میں تشریف فرما ہوتے' باتیں ہو رہی ہوتیں' ایسے میں جب نماز کا وقت آجاتا' آپؐ اذان سنتے تو یک بیک کیفیت مبارکہ یہ ہو جاتی گویا ہمارے ساتھ' بلکہ کسی کے ساتھ بھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی جان پہچان ہی نہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب بھی کوئی مشکل درپیش آجاتی آپؐ پہلا کام یہ کرتے کہ نماز ادا فرماتے کہ نماز ہی آپؐ کیلئے راحتِ جاں تھی۔ مسجد نبوی کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد ہوتا : ((اَرِحْنَا یَابِلَال)) "بلال! نماز کیلئے بلاوا دے کر ہمیں راحت دو"۔ یہ تو آپؐ کے احوال عالیہ کا ذکر ہے کہ ذاتِ مبارکہ کیلئے نماز کیف حضوری کا ذریعہ' حل مشکلات کا وسیلہ' آنکھوں کی ٹھنڈک اور راحت جاں تھی۔ عام مومنوں کیلئے بھی ارشاد ہوا "نماز بندے اور اس کے رب کے درمیان سرگوشی ہے"۔ اذان میں نماز کو فلاح قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ بندہ خدا سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں اپنا سر خم کر رہا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ارشاد ہوا : ((اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ)) یعنی نماز مومنوں کیلئے معراج کا درجہ رکھتی ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کہے ہے ہر کوئی اللہ میرا
عجب نسبت ہے بندے میں خدا میں!

بندے اور خدا میں نسبت کا حال واقعی عجب ہے۔ یہ سب سے قدیمی (عہد الست والی) اور سب سے پائیدار (ابد الاباد تک قائم رہنے والی) واحد نسبت ہے۔ یہ نسبت ربوبیت اور عبدیت کی تو ہے ہی' اس کے ساتھ ساتھ یہ نسبت اپنائیت کی' معیت کی اور قربت کی بھی ہے۔ قرآن پاک میں ہے : ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ (البقرۃ : ۱۸۶) "جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دیجئے کہ میں

قریب ہی ہوں۔" سوال یہ پیدا ہوا کہ کتنا قریب؟ اس کا جواب یوں دیا گیا : ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق : ۱۶) "ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔"

انسان جتنا زیادہ خدا رسیدہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کی قربت کو 'معیت کو' حضوری میں ہونے کو محسوس کرتا ہے۔ وہ ہر وقت خدا کو اپنے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ غارِ ثور میں 'سفر ہجرت کے موقع پر رسول اللہ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا تھا : ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبہ : ۴۰) "غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" جیسے بچہ ہر وقت ماں کی نگاہوں میں ہوتا ہے اور وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی ہے' اس کا تحفظ کرتی ہے' اس سے بے حد و حساب زیادہ خیال خدا اپنے بندوں کا رکھتا ہے۔ حضور ﷺ سے فرمایا گیا : ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (النجم : ۴۸) "اپنے رب کے حکم کے لئے صبر کیجئے' آپ تو (ہر وقت) ہماری نظر میں ہیں۔" میر ولی الدین اپنی کتاب "قرآن اور تعمیرِ سیرت" میں "قرآن اور علاج خوف" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں : "بعض عارفین کی جیب میں یہ آیت لکھی رہتی تھی۔ خوف و مصیبت کے وقت اس پر نظر ڈالتے' حضوری و معیت حق کا ادراک کرتے اور محض اس ادراک سے کہ حق تعالیٰ ہماری اس مصیبت کو جانتے ہیں' دیکھ رہے ہیں' جھومتے اور رقص کرتے۔"

احساسِ معیتِ الٰہی کا یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ بہرحال انسان کی تخلیق اسی لئے ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ "یومِ الست" کو کئے گئے عہد کا ایفا کرے اور رب کے ساتھ عبدیت کا رشتہ استوار کرے' جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے : ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات : ۵۶) "میں نے جِنّوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے۔" افسوس! صد افسوس! صد ہزار بار افسوس! کہ ہم عارضی انسانی رشتوں اور فانی اشیاء کے جھمیلوں میں اتنا کھو جاتے ہیں' زندگی کی بھیڑ میں اتنا گم ہو جاتے ہیں کہ خدا کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں اور ہماری حالت اس بچے کی سی ہو جاتی ہے جو میلے کی گہما گہمی' رونق اور تماشوں میں اتنا محو ہو جائے کہ باپ کی انگلی چھوڑ دے' پھر اسے اپنے گھر کا راستہ یاد نہ آئے اور وہ پریشان حال اور آشفتہ خاطر پھرے۔

خدا کی یاد ہی سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : ﴿ اَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (الرعد : ۲۸) "دل تو اللہ کی یاد ہی سے اطمینان پاتے ہیں۔" جو آدمی خدا کو بھلا بیٹھے' غفلت میں مبتلا ہو جائے' اس کے متعلق ارشاد ہوا : ﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ﴾ (طٰہٰ : ۱۲۴) "جو میری یاد سے منہ پھیرے اس کے نصیب میں آشفتہ حال زندگی ہی ہوتی ہے" اور ایسی زندگی کس کام کی؟ بقول شاعر ؎

زندگی دل کا سکوں چاہتی ہے
رونقِ شہرِ سبا کیا دیکھیں

اور دل کا سکون تو اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اس میں صرف اور صرف اللہ کی یاد ہو۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے "خوب سن لو کہ دلوں کو چین اور اطمینان صرف اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی میسر ہوتا ہے۔ پس قلب ایک شاہی محل ہے جس میں صرف شہنشاہ حقیقی ہی سکونت کر سکتا ہے۔ دل کوئی بھٹیار خانہ تو نہیں کہ جس کو چاہو ٹھہرالو۔ اگر ٹھہراؤ گے تو اس کے نزدیک ظالم اور گستاخ سمجھے جاؤ گے"۔

بندہ کے طور پر ہماری سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم غفلت سے بچیں' اللہ کو یاد رکھیں' اللہ اسے یاد کریں (ذکر کے یہ دونوں معانی ہیں)۔ اور سب کچھ بھول جائیں تو بھول جائیں مگر خدا کو کبھی نہ بھولیں۔ حضرت بُلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ؎

جندے نیں تینوں رب نہ بُھلّے' دعا فقیراں ایہا
رب نہ بُھلّے ہور سب کچھ بُھلّے' رب نہ بُھلّن جیہا

"میری پیاری جان! فقیروں کی دعا تو یہی ہے کہ تجھے رب نہ بھولے۔ اور سب کچھ بھول جائے تو بھول جائے' لیکن خدا نہ بھولے (کیونکہ) خدا بھولنے کی چیز نہیں ہے"۔

حضرت خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے غفلت سے بچنے کی تلقین یوں فرمائی ؎

خاموش فرید اسرار کنوں
چُپ بے ہودہ گفتار کنوں

پر غافل تھی نہ یار کنوں

ایہو لاریبی فرمان آیا

"فرید! بھید کی باتیں بیان کرنے سے باز ہی رہو اور بے ہودہ گفتار کرنے سے گریزاں رہو۔ لیکن (بہرحال) خدا سے غافل نہ رہو۔ بے شک حکم اسی بات کا دیا گیا ہے"۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے وردِ زبان اکثر یہ شعر رہتا ؂

کسے کو غافل از حق یک زماں است

دراں دم کافر است امانہاں است

"جو شخص ایک لحہ کے لئے بھی خدا سے غافل ہو جاتا ہے وہ اس وقت نافرمانی کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے' اگرچہ یہ نافرمانی بظاہر نظر نہیں آتی"۔

باب الاسلام سندھ کے ہفت زبان صوفی شاعر حضرت سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے ؂

جو دم غافل سو دم کافر سانوں ایہہ فرمایا

"ہمیں یہی حکم کیا گیا ہے کہ جو سانس بھی غفلت میں گزرے وہ نافرمانی میں گزرتا ہے"۔

نماز کیا ہے؟ غفلت کی بیماری کا ایک شافی' مجرب اور تیر بہدف علاج ہی تو ہے' نماز ذکر ہی تو ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے : ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ (طٰہٰ : ۱۴) "میرا ذکر کرنے کے لئے نماز قائم کیا کرو۔" نماز خدا کو یاد کرنے کی' یاد رکھنے کی بہترین ضمانت ہے' حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا : "اگر کسی کے دروازے کے آگے سے نہر بہتی ہو اور وہ اس میں پانچ مرتبہ روزانہ غسل کرے تو کیا اس (کے جسم) پر کوئی میل باقی رہ جائے گی؟" عرض کیا گیا "جی نہیں" ارشاد ہوا "اسی طرح نماز کا حال ہے"۔ گویا دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے سے اتنی ہی بار روحانی غسل ہو جاتا ہے اور روح پر سے غفلت کی میل کچیل دور ہو جاتی ہے۔

روزانہ آٹھ پہروں میں وقفے وقفے سے پانچ بار اللہ تعالیٰ کا بلاوا آتا ہے' یاد دہانی

ہوتی ہے کہ دنیا کی گہما گہمی میں اپنے خدا کو نہ بھول جاؤ' غفلت میں نہ پڑ جاؤ' اپنے اصلی اور دائمی گھر کو فراموش نہ کرو' عارضی اور وقتی پڑاؤ کو منزل نہ سمجھ بیٹھو۔ نماز تو گویا ایک کھڑکی ہے جو اس دنیا کی تنگ و تاریک کوٹھری سے خدا کے وسیع' روشن اور پُر رونق صحن میں کھلتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

دوزخ است آں خانہ کو بے روزن است
اصلِ دین اے بندہ روزن کردن است

"ایسا گھر جس میں ایک بھی کھڑکی نہ ہو دوزخ ہی تو ہے۔ دین کی اصلیت اور حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ حیاتِ مستعار کے عالم تنگ و تاریک سے حیاتِ اُخروی کے وسیع تر جہان کی جانب ایک کھڑکی کھول دی جائے"۔

یوں بھی ایک فانی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ اس دو روزہ زندگی پر غرہ کر کے خدا سے غافل ہو جائے۔ آدمی تو پانی کا بلبلہ ہے۔ اقبال نے کہا تھا ؏

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب!

ایک بہت ہی پرانا لیکن اس سے بھی زیادہ سچا شعر ہے ؎

کیا بھروسہ ہے زندگانی کا!
آدمی بلبلہ ہے پانی کا!!

کچھ مضامین ایسے ہیں جن کی قرآن مجید میں بہت زیادہ تکرار کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک انسانی زندگی کی فناپذیری ہے۔ مثلاً ارشاد ہوا ﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ آیت کا یہ ٹکڑا قرآن مجید میں تین بار آیا ہے۔ (۳ : ۱۸۵' ۲۱ : ۳۵ اور ۲۹ : ۵۷) یعنی "ہر جان موت کا ذائقہ چکھ کر رہے گی۔"

کسی پنجابی شاعر نے کم و بیش اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

"اوڑک ٹٹناں ایس پتنگ نیں بھاویں چڑھ جاوے آسمان نوں"

"یہ پتنگ خواہ اتنی بلند اُڑے کہ آسمان تک پہنچ جائے آخر اس نے ٹوٹنا ہی ٹوٹنا ہے۔"

حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ملاحظہ ہوں :

اس کے بلاوے پر جو روزانہ پانچ وقت اذانوں کی صورت میں گونجتا ہے 'لبیک کہا جائے' اور اپنا سرنیاز اس کے در پر خم کیا جائے کہ اسی میں ہماری بھلائی ہے 'اسی میں ہماری فلاح ہے' آخرت میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک عارف سے کسی نے پوچھا "کیا یہ سچ ہے کہ نماز پڑھنے سے آخرت میں جنت حاصل ہو گی؟" اس نے کہا "غافل! اگر تو نماز کی اہمیت اور حضور قلب سے واقف ہو جائے تو یہ راز تجھ پر منکشف ہو جائے کہ نماز ہی جنت ہے اور وہ مؤمن کی معراج ہے"۔

آخر میں ایک نہایت ضروری انتباہ! نماز مومن کی معراج تو ہے 'مگر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں 'ان صاحب کی اتباع میں نہیں جنہوں نے کہا تھا "آپ' تو معراج پر تشریف لے گئے 'حضوری کا شرف حاصل کیا اور واپس اسی مادی دنیا میں آ گئے 'بخدا اگر میں جاتا تو واپس نہ آتا' وہیں کا ہو رہتا (او کما قال)" مومن تو تکبیر تحریمہ کہہ کر خدا کے ساتھ سرگوشی کی لذت سے فیض یاب ہوتا ہے 'معراج کے روحانی سفر میں عرش تک چلا جاتا ہے مگر پھر اپنے پیارے نبی ﷺ کی پیروی میں فرش پر واپس آتا ہے اور واپس آنے کی علامت کے طور پر معاشرہ میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر السلام علیکم و رحمتہ اللہ کہہ کر نماز کا اختتام کرتا ہے اور اس طرح دوبارہ معمول کی عائلی 'سماجی اور معاشی ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے نبھانا' نیز اس کے علاوہ اقامت دین کی اضافی (اور امت مسلمہ کی خصوصی) ذمہ داریوں کو سرانجام دینا شروع کر دیتا ہے۔ بدھ مت کے بالکل برعکس اسلام اپنے پیروؤں کو ایسے تارک الدنیا بِھکشو نہیں بناتا جو عائلی 'معاشرتی اور معاشی ذمہ داریوں سے بھاگیں اور معاشرہ پر بوجھ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے الفاظ مبارکہ میں "عیالاً علی المسلمین" ہوں۔ آپؓ کے عہد مبارک میں کچھ زیادہ ہی "متوکل" لوگوں نے معاشی جدوجہد ترک کر کے "نحن المتوکّلون علی اللّٰہ" (ہم تو اللہ پر توکل کرنے والے ہیں) کا نعرہ لگانا شروع کر دیا تو آپؓ نے اس غیر اسلامی رجحان کو ختم کرنے کے لئے انہیں کوڑے لگوائے۔ یہ نہایت ضروری تعزیر تھی کیونکہ یہ لوگ قرآنی احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ سورۃ الجمعہ میں جہاں یہ حکم ہے کہ "جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان ہو جائے تو خرید و فروخت (اور دوسرے کاروبار) چھوڑ کر اللہ کے

ذکر کی طرف بھاگ کر آؤ۔" وہاں ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ "جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کی تلاش کرو" (آیات ۹'۱۰) انہی معنوں میں حدیث مبارکہ ہے : ((کسب الحلال فریضۃٌ بعدَ الفریضۃ)) "حلال روزی کمانا فریضہ کے بعد فریضہ ہے"۔ حضور پاک ﷺ نے اپنے ایک محنت کش صحابی کے ان ہاتھوں کو فرطِ محبت سے چوما تھا جن پر کسب حلال کے دوران گٹے پڑ گئے تھے۔ سورۃ المزّمل میں جہاں ﴿تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً﴾ (۸۳ : ۸) کا حکم ہے اور نصف یا کم و بیش رات کے قیام کے لئے ارشاد کیا گیا ہے۔ (آیات ۲'۳) وہاں کسب حلال یا ابتغاء فضل اللہ کے لئے زمین میں سفر کرنے والوں اور (اقامت دین کے لئے) جہاد کرنے والوں کا بھی ذکر ہے۔ (آیت ۲۰)

دین و دنیا کا یہ حسین امتزاج' اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرے اور دائمی تعلق کے ساتھ ساتھ معاشرتی روابط اور ذمہ داریوں کا شدید احساس اور تکمیل' اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو ہے۔ دوسری ثقافتوں میں ایسی کامل اور کثیر الجہات شخصیتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو اسلام نے پیدا کیں اور تا قیامت پیدا کرتا رہے گا۔ دوسری تہذیبوں میں پرورش پانے والے لوگوں کے لئے یہ بڑی اچنبھے کی بات ہے کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کے دروازے کو دین کی چابی سے کھولیں۔ اقبال نے حضور ﷺ کے کارنامے کا یوں تذکرہ کیا تھا کہ ؏ از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد! بہرحال یہی اسلام کا معجزہ اور نصب العین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کر کے دنیا و آخرت میں کامیابیاں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

کتابتِ مصاحف اور عِلمِ ضبط (۳)

علاماتِ ضبط کی ابتداء' ان کے متنوع ارتقاء اور ان کے زمانی اور مکانی ممیّزات کا اجمالی جائزہ

پروفیسر حافظ احمد یارؒ

۲۳۔ جب الخلیل بن احمد الفراہیدی نے دوسری صدی ہجری کے اواخر میں علاماتِ ضبط کا یہ نیا طریقہ وضع کیا تو اس وقت تک ابوالاسود کا ایجاد کردہ طریقہ نقاط (نَقْط) کتابت مصاحف کے لئے پوری دنیائے اسلام کے مغربی اور مشرقی تمام حصوں میں استعمال ہو رہا تھا' بلکہ اس میں مزید اصلاحات اور نئی نئی علامات کی ایجاد سے یہ طریقہ زیادہ مکمل اور قرآن کریم کی قراءت اور تجوید کی بہت سی ضرورتوں اور نطقی و صوتی تقاضوں کے لئے کافی و مکتفی بن چکا تھا۔ اس لئے شروع میں کافی عرصہ تک لوگ کتابت مصاحف کے لئے الخلیل کے طریقے کی بجائے ابوالاسود والے طریق نقط کا استعمال ہی جائز سمجھتے تھے۔ الخلیل کا طریقہ کافی عرصہ تک صرف کتب شعر اور دیگر غیر قرآنی عربی عبارات میں استعمال ہوتا تھا۔ بلکہ اسی وجہ سے اور "شکل المصحف" کے طریقۂ نقط سے ممتاز کرنے کے لئے اسے "شکل الشعر" (یعنی شعروں میں حرکات لگانے کا طریقہ) بھی کہتے تھے۔ دونوں قسم کے "شَکْل" کی صوری خصوصیات کی بنا پر ابوالاسود والے طریقے کو "الشکل المدور" اور مؤخرالذکر کو "الشکل المستطیل" بھی کہتے تھے۔

☆ مغرب (یعنی سپین اور افریقی ممالک) میں تو کتابت مصاحف کے لئے علاماتِ ضبط کے طور پر ابوالاسود کے طریق نقط کو ایک قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی (م ۴۴۴ھ)' جو رسم عثمانی اور علاماتِ ضبط بذریعہ "النقط المدور" کے بہت بڑے عالم تھے اور ان فنون میں انہوں نے یادگار تصانیف چھوڑی ہیں' اپنی کتاب